شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن

لالۂ صحرائی

ذیل کی تحریر، گذشتہ ماہ رمضان المبارک کی پچیسویں شب سعودی عرب کے شہر طائف میں منعقد ہونے والی ایک محفلِ شب بیداری میں پڑھی گئی۔

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرات گرامی!

آپ جانتے ہی ہوں گے کہ یہ کرۂ خاکی یعنی یہ زمین، جس کے ہم سب باشندے ہیں، بندوق کی گولی سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ، اپنے محور، سورج کے گرد، ہمہ وقت گردش کر رہی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ عقل کو دنگ کر دینے والی بات یہ ہے کہ اپنی انتہائی تیز رفتار گردش کے باوجود، یہ زمین اپنے سینے پر بسنے والی تمام مخلوقات اور دوسری اشیا کے لیے ایک انتہائی آرام دہ پنگھوڑا بھی ہے، جس کی وجہ سے ہم سب کو ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے میں بھی زمین کی اس طوفانی گردش کا کوئی جھکولا یا جھٹکا محسوس نہیں ہوتا۔

زمین کی تیز رفتار گردش اور اس کی پنگھوڑے جیسی آرام دہ کیفیت سے تو ہمیں سائنس دانوں نے آگاہ کیا ہے، لیکن اس کی کچھ اور حیرت انگیز کیفیات ایسی بھی ہیں، جن کا ہم ہر روز، بلکہ دن رات کے ہر لمحے کے دوران خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ اس

کے دنوں میں اُجالا بکھیرنے اور اس کی راتوں کو منوّر کرنے والے سورج، چاند اور تارے، جو ایک نہایت ہی کڑے نظام کی پابندی کرتے ہوئے ریاضیاتی باریکیوں سے مقرر کردہ وقت کے ساتھ اُبھرتے اور ڈوبتے ہیں۔ یہ مقررہ وقتوں ہی پر موسموں کی نہایت مفید تبدیلی — یہ گرمی جو ہماری فصلوں کو پکاتی ہے، اور یہ سردی، جو ہمارے دریاؤں کے لیے پانی کے محفوظ ذخیرے برف کی صورت جاتی ہے — اور یہ بارش، جو دھوپ سے جلی ہوئی سطح زمین کے لیے نئی زندگی کا پیغام لاتی ہے، نیز زمین کی تہوں میں سوئے اور سہمے ہوئے گُل بوٹوں کو زمین کا سینہ شق کرکے اُبھرنے اور اپنی پھبن دکھانے کا موقع فراہم کرتی ہے — یہ لاکھوں میل کی وسعتوں میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے سمندر، جو گویا قانونِ قدرت کے کوزے میں بند ہیں۔ یہ کروڑوں میل کے رقبوں کو سیراب کرنے والے موّاج دریا، یہ فرشِ زمین پر میخوں کی طرح گڑے ہوئے ہیبت ناک پہاڑ — یہ سب ایسے سخت گیر قانونِ فطرت کے پابند ہیں کہ اُن کے اندر کہیں صدیوں اور قرنوں میں جاکر کوئی نمایاں طبعی تبدیلی رُونما ہوتی ہے — پھر یہ رات اور دن جو ایک اٹوٹ تسلسل کے ساتھ، ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے چلے آتے ہیں — دن، ہمیں زندگی کی ضروریات حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے، اور رات ہماری دن بھر کی مشقت کا ازالہ ہمیں سکون بہم پہنچا کر کرتی ہے — پھر ہمارے علاوہ اس کرۂ زمین پر بسنے والی بے شمار دوسری مخلوقات، اور ہر مخلوق کی اَن گنت قسمیں، ان میں سے بہت سی ہماری خدمت کے لیے ہر وقت مستعد، تاہم ان تمام مخلوقات کا وجود، اور ان کی زندگی ایک ایسے لگے بندھے قاعدے سے وابستہ، جس میں صدیوں کیا معنی، ماضی کے لامحدود زمانے سے نہ کبھی کوئی رخنہ ظاہر ہوا ہے، نہ جھول —

حضراتِ گرامی،

یہ عظیم الشان کارخانۂ قدرت، جو اپنے حیرت انگیز، بے خلل، بے رخنہ اور بے خطا قاعدوں اور ضابطوں کے ساتھ اس کرۂ خاکی میں ان گنت زمانوں سے مسلسل کام کر رہا ہے اور جس میں وقت کی کسی مہین ترین اکائی کے دوران بھی کوئی ٹھہراؤ پیدا نہیں ہوا۔ کیا اس بات کی گواہی نہیں دیتا کہ اس کارخانے کو چلانے والی بھی کوئی ہستی موجود ہے اور وہ ہستی ایسی

ہے، جو تمام قوتوں سے قوی ترین، تمام عظمتوں سے عظیم ترین، اور تمام ماہر صناعوں سے ماہر ترین صناع ہے جس کی حکمت نہایت باریک، جس کی بصیرت انتہائی لطیف، جس کی تدبیریں انتہائی کامیاب، جس کے منصوبے انتہائی مکمل، اور جس کی قدرت بے پناہ اور لامحدود ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی نہایت بے عقل شخص ہی کارخانۂ قدرت کو چلانے والی ایسی بالاتر ہستی کے وجود سے انکار کرے گا۔ اور۔ حضرات، ہم سب، جو اس محفل میں موجود ہیں، یقیناً ایسے بے عقل نہیں ہیں۔ ہم سب اس ہستیٔ بلند و برتر اور اس ہستیٔ عظیم و جلیل کے وجود، اور اس کی کبریائی کا اقرار کرتے ہیں، جس کا نام اللہ ہے۔ اس کے وجود کے اقرار کے ساتھ ہم اللہ کے حضور اس کی اطاعت میں اپنی گردنیں بھی جھکاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور گردنیں جھکانے والوں پر خوش ہو کر ان کا نام "مُسلم" رکھا ہے۔ الحمدللہ کہ ہم سب مُسلم ہیں۔

محترم حضرات!

میں اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو وجود بخش کر، اس کائنات کے اندر قسم قسم کی مخلوق پیدا کر کے اور انہیں اپنے مقرر کردہ قاعدوں اور ضابطوں کا سختی سے پابند بنا کر، خود اپنی ذات گرامی کی گواہی کا سامان پیدا کیا ہے ۔ ادھر ہر شخص جانتا ہے کہ اس زمین پر بے رُوح، اور ذی رُوح دو طرح کی مخلوقات پائی جاتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہاں کی بے رُوح مخلوقات کا تو محض وجود ہی اپنے خالق کی موجودگی کی گواہی کے لیے کافی ہے، تاہم اپنی ذی رُوح مخلوقات کو اسی گواہی کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت اور رہنمائی سے نوازنا بھی ضروری سمجھا، مثال کے طور پر اسی خداداد ہدایت کے تحت پرندوں نے فضا میں اُڑنا، مچھلی نے پانی میں تیرنا، اور حیوانات نے مرغزاروں میں چرنا چگنا سیکھا۔ ادھر اپنی ذی رُوح مخلوقات میں حضرتِ انسان کو، اللہ تعالیٰ نے طاقتِ گویائی، قوتِ فیصلہ اور عقل و خرد کی اعلیٰ ترین صلاحیت سے نواز کر دوسری تمام مخلوقات پر اسے شاندار فضیلت کا درجہ عطا کیا۔ پھر اطاعت کے جذبے کے ساتھ نافرمانی کا اختیار بخش کر، اس دُنیا کو انسان کے لیے امتحان گاہ بنایا، تاکہ اس فانی دُنیا کے خاتمے کے بعد اپنے امتحان میں کامیابی کی صورت میں، انسان کو ہمیشہ باقی رہنے والے انعامات سے نوازے ۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلہ عمل کے دوران حضرتِ انسان

کو بھی دوسری ذی رُوح مخلوقات کی مانند اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی اور ہدایت درکار تھی:
اس کی صورت اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز فرمائی کہ اس دُنیا میں نسلِ انسانی کی ابتداء کرتے ہوئے حضرت آدمؑ
کو پہلا انسان بنانے کے ساتھ ساتھ، اُسے اپنا پہلا پیغمبر بھی بنایا۔ پیغمبری کا منصب عطا کرنے
کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے حضرت آدمؑ کو یہ بتایا کہ انہیں اپنے خالق کی پسند کے
مطابق، اس دُنیا میں اپنی زندگی کس طریقے سے بسر کرنی ہوگی۔ اپنے پسندیدہ طریقِ زندگی کا نام
اللہ تعالیٰ نے اِسلام رکھا اور اس طرح حضرت آدمؑ اِس دُنیا کے پہلے مُسلم بھی قرار پائے۔
حضرت آدمؑ اور اُن کی نسل کو وحی کے ذریعے صحیح طریقِ زندگی کی تعلیم و تلقین سے اللہ تعالیٰ
کا ایک منشا یہ بھی تھا کہ نسلِ انسانی اپنے دُنیاوی اعمال سے اس بات کی شہادت دے کہ
اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا حاکمِ مطلق ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ آخری
صحیفہ یعنی قرآن کریم میں میلادِ آدم سے قبل، روزِ ازل کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ الاعراف
میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "اور اے نبیؐ، لوگوں کو وہ وقت یاد دِلاؤ، جب کہ تمہارے ربّ نے
بنی آدم کی پشتوں سے اُن کو نکالا تھا، اور انہیں خود ان کے اُوپر گواہ بناتے ہوئے
پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا، ضرور آپ ہی ہمارے ربّ
ہیں۔ ہم اس پر گواہی دیتے ہیں، یہ ہم نے اس لیے کیا، کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ
نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے، یا یہ کہنے لگو کہ شرک کی ابتداء تو ہمارے
باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی، اور ہم بعد کو ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔
پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو ہمارے غلط کار لوگوں نے کیا تھا"۔

(الاعراف - ۱۷۲-۱۷۳)

گویا اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کے ہر ہر فرد کو اس دُنیا میں بھیجنے سے پہلے اس بات کا
عہد لیا تھا کہ وہ اپنی دُنیاوی زندگی میں اللہ کی ربوبیت کی شہادت دے۔ اس عہد کی پاسداری
کی مزید تاکید سورۃ المائدہ کی آیت ۸ میں اس طرح فرمائی گئی:
ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، خدا کی خاطر اُٹھ کھڑے ہونے والے اور

ٹھیک ٹھیک راستی کی گواہی دینے والے بنو۔"

حضرت آدمؑ کے بعد بھی تاریخ کے ہر دَور اور دُنیا کے ہر خطے میں اللہ تعالیٰ بے شمار پیغمبر بھیجتا رہا تاکہ بنی نوعِ انسان برابر اس امر سے آگاہ رہے کہ اُن کے لیے دُنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ زندگی گذارنے کے صحیح طریقے کی جو گواہی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے دلوائی، اُس کی وجہ قرآن مجید میں یہی بتائی گئی ہے کہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کی حجّت قائم ہو جائے، چنانچہ قرآن مجید کی سورہ النساء کی آیت ۱۶۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: " رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے، تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی حجّت نہ رہے"۔

انسانیت اپنی پیدائش کے بعد جیسے جیسے عمر کے مراحل طے کرتی رہی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے نئے پیغمبروں کے ذریعے اُسے ہر مرحلۂ حیات کے مطابق ہدایت و رہنمائی ملتی رہی۔ حتیٰ کہ آج سے قریباً چودہ سو سال پہلے انسانیت اپنے بچپن اور طفولیّت کے مراحل سے نکل کر بلوغت اور بھرپور شباب کے عالم میں پہنچ گئی۔ تب اللہ تعالیٰ کی حکمت کو یہ منظور ہوا کہ وہ جواں سال بنی نوعِ انسان کی دائمی ہدایت و رہنمائی کے لیے ایک مکمل اور منوّر آفتاب مطلعِ عالم پر ہویدا کرے، جو قیامت تک روشن رہے اور اپنی روشنی سے بنی نوعِ انسان کے سامنے زندگی کی سیدھی راہ واضح کرتا رہے۔

حضراتِ گرامی!

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قربان جایئے کہ ابدی نورِ ہدایت کا یہ آفتاب آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے آپ کے پڑوسی شہر مکہ مکرمہ کی وادئ حرا سے طلوع ہوا، وہاں سے ڈھلک کر چند روز کے لیے آپ کے اس شہر طائف کی فضاؤں میں چمکا، لیکن آخر کار اپنے خالق کی مرضی کے عین مطابق مکّہ و طائف اور مدینہ کی محدود فضاؤں سے نکل کر، آسمانِ دُنیا کی عظیم بلندیوں پر پہنچ کر، اور جغرافیے اور وقت کی تمام حدود سے بالاتر ہو کر، وہ کُل عالم کے لیے، اور ہر زمانے کے لیے خدا کی رہنمائی کا ایک منوّر پیغام بن گیا۔ یہ آفتابِ ہدایت اور

یہ سراجِ منیر، کہ نامِ نامی جس کا رسولِ نہامی، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے —— صد شکر، کہ ہمارے خالق خداوند تعالیٰ نے ہمارے لیے مرکزِ ایمان اور تسکینِ جان بنا کر بھیجا ہے۔ وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے گناہوں کی حدّت سے تپتی ہوئی جانوں کے لیے رحمت کی خنک پھوار بھی ہے۔ اور بروزِ قیامت ہمارے اُجڑے پُجڑے اعمال ناموں کے لیے شفاعت کی بہار بھی —— لیکن اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس ذاتِ گرامی کو ہمارے لیے شاہد اور گواہ بھی بنا کر بھیجا ہے، چنانچہ وہ آفتابِ ہدایت آخری صحیفۂ آسمانی کے طور، ہمیشہ تابندہ و درخشاں رہنے والی کرنوں کا جو ذخیرہ، قرآنِ کریم کے نام سے لایا، اس کی سورۃ الاحزاب کی آیت ۱۴۳ کے آغاز میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

ترجمہ: "اور اس طرح ہم نے تمہیں اُمتِ وسط بنایا ہے، تاکہ تم دُنیا کے لوگوں پر گواہ ہو، اور رسولؐ تم پر گواہ ہو"۔

مزید برآں سورۃ الحج کی آیت ۷۷-۷۸ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

ترجمہ: "اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مُسلم رکھا تھا، اور اس (قرآن) میں بھی تمہارا یہی نام ہے، تاکہ رسول تم پر گواہ ہو، اور تم انسانوں پر گواہ ....."

حضرات! اہلِ علم کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ایسی آیات سے مراد یہ ہے کہ دُنیا میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے یہ زبانی شہادت اپنی ملت کے رُوبرُو دینا ہوگی کہ خدا کے احکام ہی حق ہیں اور ان کے خلاف سب کچھ باطل ہے۔ اس کے بعد اس مسلک کے جس کے وہ داعی ہیں۔ اس کا عملی مظاہرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پوری زندگی میں کرنا ہوگا۔ پھر بروزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے احتساب کی عدالت قائم ہوگی تو اس عدالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کی شہادت اور گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی دُنیاوی زندگی کے دوران بندوں کو خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا — اور پھر یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان بھی لوگوں پر گواہ ہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے[1] تمام زمانوں میں دُنیا کے ہر خطّے کے اندر اُمتِ مُسلمہ کو

[1] یہ ذمہ داری ایک حد تک صحابہ کرام پر عاید تھی کہ وہ حضورؐ کی حیات میں (باقی برصفحہ آئندہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہونے کے طور پر عام انسانوں میں گواہ بن کر رہنا ہوگا۔ اُمتِ مُسلمہ کے افراد اپنی دُنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام برحق ہونے کی شہادت اپنی زبان سے بھی دیں گے اور اپنے اعمال سے بھی۔ نیز قیامت کے روز انہیں عام لوگوں پر اس بات کا گواہ بن کر اُٹھنا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک جو کچھ پہنچایا تھا، وہ ہم نے عام لوگوں تک پہنچانے میں اپنی استطاعت کی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اِن آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ہم پر اُمتِ مُسلمہ کے افراد ہونے کی حیثیت سے یہ لازم آتا ہے کہ ہم دعوت و تبلیغ کے ہر ممکن ذریعہ اور وسیلہ کو کام میں لاتے ہوئے خلقِ خدا پر اس حق کو واضح کریں جو ہمارے آقا و ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی پوری زندگی اور اس کے ہر پہلو میں، مثلاً رہن سہن میں، اپنے روزگار میں اور دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات میں ان اُصولوں کا عملاً مظاہرہ کریں اور انہیں برت کر دکھائیں جن کو ہم حق کہتے ہیں، یعنی دُنیا کے کانوں میں ہم محض اپنے شیریں وعدوں کا رس ہی نہ گھولیں، بلکہ دُنیا کی مشتاق آنکھیں ہماری عملی زندگی کے اُس حُسن کے نظارے سے بھی ٹھنڈی ہوں جو ایمان کے پرتو سے انسان کے اخلاق و معاملات میں نمودار ہوتا ہے۔

ایک صحابی حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ آپؐ کو ہمارے رب نے کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟ آپؐ نے جواباً فرمایا کہ "خدا نے مجھے

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

ان کے پیغام اور تعلیمات کو جن جن دوسرے لوگوں تک پہنچا سکیں، پہنچائیں اور شہادتِ حق دیں۔ جیسا کہ خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ "فلیبلغ الشاھد الغائب" یہ فریضہ ہر مسلمان کا ہر وقت ہے کہ وہ جن رشتہ داروں، دوستوں، اجنبیوں، دوسرے علاقہ کے لوگوں تک حق کی آواز پہنچا سکے، پہنچائے۔ البتہ نبی پاک کی حیاتِ دنیوی کے بعد اُمت پر بہ حیثیتِ مجموعی اس مشن اور مہم کی منصبی ذمہ داری عاید ہوتی ہے جس کا بیان جناب مؤلف نے کیا ہے۔ (د۔ ر۔ ص)

دینِ اسلام دے کر بھیجا ہے"۔ جب میں نے پوچھا کہ "دینِ اسلام کیا ہے؟" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اسلام یہ ہے کہ تم اپنی ذات کو اللہ کے حوالے کر دو اور دوسرے معبودوں سے دست کش ہو جاؤ، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گویا خداوند تعالیٰ کے احکام کی عملی شہادت کی تلقین ہے ۔ ایک اور صحابی حارث اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں ۔ ۱۔ جماعت کا۔ ۲۔ سُننے کا۔ ۳۔ اطاعت کا۔ ۴۔ ہجرت کا۔ ۵۔ جہاد کا"۔ یہ گویا اس بات کی تلقین ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے افراد پر فریضۂ شہادت ادا کرنے کی خاطر جماعت سازی اور پھر اس جماعت کے امراء کی سمع و اطاعت لازم آتی ہے۔ نیز اس غرض کے لیے انہیں حسبِ ضرورت ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی کام لینا چاہیے۔ یعنی تن، من اور دھن ہر ذریعہ سے شہادتِ حق کا فریضہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے، بلکہ ہمارا اصل مقصدِ زندگی!

حضرات!

شہادتِ حق کا یہ فریضہ ادا کرتے وقت اپنے من اور دھن سے کام لینا بھی قابلِ تعریف ہے، تاہم اس فریضہ کی ادائیگی کی خاطر اپنا تن نثار کر دینا، شہادتِ حق کی اعلیٰ ترین صورت ہے، بلکہ مومن کی زندگی اور کردار کی معراج ہے، چنانچہ اپنے بندوں کی جانب سے اپنی ذاتِ گرامی کے حق میں اپنی جان نثارانہ گواہی کی تحسین، خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں فرمائی ہے۔ اس موضوع پر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

(ترجمہ) "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مُردہ مت کہو، ایسے لوگ تو زندہ ہیں۔ مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا"۔

اِس شاندار طرزِ شہادت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۴۲ میں فرمایا:

(ترجمہ) "کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تو یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے،

اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں"۔

دراصل اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دینے والا، اپنی جان دے کر یہ گواہی دیتا ہے کہ جس چیز پر وہ ایمان لایا تھا، وہ اُسے جان سے بھی عزیز رکھتا تھا ؎

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے، کہ حق ادا نہ ہوا

شہادتِ حق کی خاطر جان دینے والے گواہ کو "شہید" کا پیارا خطاب عطا فرما کر، اس کے رتبۂ بلند کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں ارشاد فرماتا ہے:

(ترجمہ) "جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا، جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق، جو کسی کو میسر آئیں"۔

اسی طرح سورۂ یٰسین میں ایک مردِ حق کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی دعوتِ حق سے تلملا کر اس کی قوم نے اسے شہید کر دیا۔ جب وہ مرتبۂ شہادت پہ فائز ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کی آیت ۲۶ کے مطابق اسے فرمایا کہ "داخل ہو جا سیدھا جنت میں"۔ یعنی بوقت شہادت اس کا جو خون بہا، اس خون کی بچھوار نے اس کی زندگی کی لوح سے گناہوں کے تمام اندراجات دھو ڈالے۔ اور وہ بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں پہنچا دیا گیا، چنانچہ اس آیت کے بعد کی آیت ۲۷ میں ارشاد ہوتا ہے کہ جنت میں داخلے کے عظیم انعام پر۔

(ترجمہ) "اس نے کہا کہ کاش! میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ میرے ربّ نے کس چیز کی بدولت میری مغفرت فرما دی۔ اور مجھے باعزت لوگوں میں داخل فرمایا"۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ شہادتِ حق کے فریضہ کی جان نثارانہ ادائیگی ہی تھی، جو اس مردِ حق کی فوری مغفرت کا سبب بن گئی۔

حضرات!

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے پسندیدہ دین اسلام کے برحق ہونے کی گواہی کے لیے

نذرانۂ جان پیش کرنے کی سعادت زمانے کے .... ہر دور میں بے شمار خوش نصیبوں کے حصے میں آتی رہی ہے۔ اِن خوش نصیبوں میں انبیائے کرام بھی شامل تھے۔ صالحین بھی اور مجاہدین بھی — پھر شہادتِ حق کی خاطر بعضوں کو اپنا نذرانۂ جاں عجیب عجیب اذیتوں کے طشت میں رکھ کر پیش کرنا پڑا۔ کسی کو آرے سے چیرا گیا، کسی کو آگ کے گڑھے اور اُبلتے ہوئے تیل کے کڑاہے میں پھینکا گیا، کسی کو دار پر کھینچا گیا، کسی کو تلوار سے ذبح کیا گیا۔ کسی کو دیوار میں زندہ چُن دیا گیا، اور کسی نے میدانِ جہاد میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت پیا — اُمتِ مُسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ ان عظیم و جلیل گواہانِ حق کے خون سے رنگین ہے، جنہوں نے خوشی خوشی خاک و خون میں رَل مِل کر رسمِ شہادت کی نئی سے نئی طرح ڈالی — خود ہمارے اس عہد میں بھی یہ رسمِ خوش برابر جاری ہے — حق کے دشمن، اور باطل کے علمبردار، گواہانِ حق کو ماضی سے کہیں زیادہ پُر اذیت طریقوں سے نشانۂ ستم بناتے، اور تڑپا تڑپا کر ان کے جسم و جان کا رشتہ ختم کرتے ہیں، لیکن یہ گواہانِ حق ہیں کہ اپنے آبا کی روایات سے دست کش ہی نہیں ہوتے، احد، احد پکارتے ہیں اور خاک و خون میں لوٹتے ہیں اور اس طرح شجاعت کی لازوال داستانوں میں ٹکڑے پر ٹکڑہ بڑھاتے ہی چلے جاتے ہیں۔ جب ایک گواہِ حق شہید ہوتا ہے تو شہید کا دوسرا دینی بھائی میدان میں اُتر جاتا ہے، یعنی بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد —

آج دنیا کے مختلف گوشوں میں شہادتِ حق کی انفرادی جاں نثارانہ مثالوں کے علاوہ خود ہمارے وطن کے پڑوس میں گذشتہ نو ۹ برس سے مجاہدینِ افغانستان، اللہ کے دین کی صداقت کی گواہی کا اجتماعی فریضہ جس جاں نثاری اور جاں فروشی کے ساتھ ادا کر رہے ہیں، وہ شہادتِ حق کے حسین ترین اور عظیم ترین انداز کی تازہ صورت ہے — تازہ بھی، اور قابلِ رشک بھی — شہادتِ حق کا یہ جاں نثارانہ انداز، صدیوں اور قرنوں سے ایک اٹوٹ تسلسل کے ساتھ اس دُنیا میں جاری ہے اور جب تک یہ دُنیا قائم ہے، اہلِ ایمان کی طرف سے اس اندازِ خاص کی بدولت اپنے سُرخ سُرخ خون کو سنہری اور فردوسی بنانے کا یہ سلسلہ انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گا —

حضراتِ گرامی !

اللہ تعالیٰ آپ کے سابقہ مقامی قائد، جناب ڈاکٹر عبدالقیوم سعادت کو دین و دُنیا کی بہترین سعادتوں سے نوازے کہ جن کی یاد اب تک تحریکِ اسلامی کے حدیقہ، طائف کے ہر پھول کے دل میں خوشبو بن کر بسی ہوئی ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ مجھے طائف ہی سے اپنے ایک گرامی نامہ میں اقبالؒ کے دو فارسی اشعار لکھے تھے، اپنی اس ناچیز گفتگو کا اختتام میں انہی اشعار پہ کرتا ہوں، ان اشعار میں علامہ اقبال، اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوکر یوں عرض پیرا ہیں ؎

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر
زِ نوری سجدہ می خواہی زِ خاکی بیش ازاں خواہی
چناں خود را نگہداری کہ بایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود زِ خونِ دوستاں خواہی

ان اشعار کی اُردو زبان میں ترجمانی شاید اس طرح ہوگی کہ "یاخدا تو جانتا ہی ہے کہ مقامِ بندگی کچھ اور ہے، اور مقامِ عاشقی کچھ اور ـــ تو نوریوں سے تو محض سجدوں ہی کا طالب ہے، لیکن خاکیوں سے تو سجدوں سے کچھ زیادہ کا طلب گار ہے ـــ معبود تجھے اپنے بلند و مقدس مرتبے کا کس قدر پاس ہے کہ اپنی شانِ بے نیازی کے باوجود تیرا تقاضا ہے کہ تیرے دوست اپنی رگِ جاں کا خون بہا کر تیرے وجود کی گواہی دیں۔

آیئے، دُعا کریں کہ ہم سب کو بھی ایسی گواہی کی سعادت ایک روز میسر آجائے۔

آمین !

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن